افکار و آرا

مُسلم فیملی لاز آرڈی ننس

۷۸۶
۹۹۲

مُحترمی مکرمی جناب ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب بالقابہ۔ ڈائرکٹر ادارۂ تحقیقات اسلامیہ، اسلام آباد

سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مجھے مسلم فیملی لاز آرڈی ننس مجریہ کا علم ہے اور اپنی تحریری رائے پوری تفصیل کے ساتھ کئی صفحات میں اسلامی مشاورتی کونسل کے صدر محترم کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں۔

مجھے "عائلی قوانین کمیشن" ۱۹۵۵ء کے پسِ منظر اور پیشِ منظر کا اور اس کے معزز و قابل صد احترام رکن مولانا احتشام الحق مدظلہ العالی کے دیانت دارانہ اختلاف کا علم ہے۔ جب اس کمیشن کی رپورٹ ۱۹۵۶ء میں منظر عام پر آئی ہے، اس کے مالہ وماعلیہ کا مجھے علم ہے۔ اس کارکردگی کا بلکہ حسن کارکردگی کا بھی علم ہے جو مارشل لاء (۵۸ء) کے نفاذ تک حکومتِ پاکستان کا طرۂ امتیاز رہا۔ صدر محترم نے اسی رپورٹ کی بنیاد پر جو مارچ ۶۱ء کو اعلان فرمایا، وہ بھی آج تک میرے کانوں میں گونج رہا ہے، خصوصاً یہ الفاظ جو اسلامی اور جمہوری رنگ میں رنگے ہوئے اچھی طرح یاد ہیں۔

"مسلم فیملی لاز آرڈی ننس قوانینِ خداوندی نہیں جن میں تبدیلی نہ ہو سکے۔ نئی پارلیمنٹ میں عوامی نمائندے ضرورت محسوس کریں تو تبدیلی کر سکتے ہیں۔"

اس کے جواب میں نامور ترین علماء کرام نے جو فتووں اور تبصروں کی شکل میں طرز اختیار فرمایا اور جو حکومت نے ضبط و اخذ کا جمہوری طریق پسند فرمایا، اس کا بھی علم ہے۔ میرے ناقص خیال میں

بہترین طریقہ یہ تھا اور ہے کہ معزز ممبران قومی اسمبلی فقہِ اسلامی کے ماہر ترین علماء کرام اور تجربہ کار دیانتدار وکلاء عظام کے افکار و آراء سے محدود مجالس کا بندوبست فرما کر استفادہ کا ایسا انتظام فرمائیں کہ استفادہ و افادہ میں کوئی تلخی نہ پیدا ہو۔ اور جو بزرگ اپنے روشن ترین دلائل و براہین کے ذریعہ کروڑوں عوام کے دلوں میں اذعان و یقین کی شمعیں روشن فرما سکتے ہیں ان کے لئے لکھے پڑھے سینکڑوں نمائندہ افراد کو اپنا مخلص ہم خیال بنانا از حد سہل ہے۔

"ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی" کے صدر محترم نے "جشنِ قرآن پاک" کی تقریب پر اس موضوع کے لئے اظہار رائے کا جو محدود پیمانہ پر انتظام فرمایا، وہ آپ کی مخلصانہ مساعی اور معزز ممبران کے حکیمانہ طرزِ عمل سے پایۂ تکمیل کو بہ خیر و خوبی پہنچا۔ ان معزز ترین بزرگوں کا احترام کرتا ہوں مگر میری بدقسمتی ہے کہ میری اس وقت بھی ناقص رائے یہ ہے کہ "فیملی لاز آرڈی ننس" کی کوئی دفعہ نصِ قرآنی اور شہنشاہِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح فیصلہ کے خلاف نہیں۔ ہاں ایک خاص بات جو "فیملی لاز آرڈی ننس" کی دفعہ ۴ کے متعلق ان بزرگوں کی مبارک زبانوں سے مشترکہ طور پر نکلی اس نے مجھے متاثر کیا اور میرے اس ناقص خیال کی تائید ہوئی جو سالہا سال سے کھٹکتی رہتی تھی۔ اسی ناقص خیال کو سب سے پہلے جسٹس منیر صاحب کی خدمت میں ادارۂ تحقیقات اسلامی کے معزز ترین ممبر جسٹس ایس اے رحمان صاحب کے توسط سے پیش کیا۔ ان کے بعد وہی ناقص خیال ہر لا ممبر کی خدمت میں پیش کرتا رہا ہے اب آپ کے توسط سے پیش کرتا ہوں۔ اور اسی چیز کو ان معزز و محترم ممبران کمیٹی نے بطور اعتراض کے پیش فرمایا ہے۔

کہ کلالہ (لاولد) کی آیت ۱۲/۴ میں لفظ "اِخوۃ" میں عموم پیدا کرنا ضروری ہے یعنی اگر ایک لاولد میت و مورث کا کوئی بھائی اس کی زندگی میں مر گیا ہو لیکن مورث کی وفات کے وقت اس مرحوم کی اولاد موجود ہو تو ان یتیم بھتیجوں کو قائم مقامی کے اصول پر مرحوم باپ کا حصہ ملنا چاہیئے بلکہ اس کو اور عام ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ جس طرح اولاد نہ ہونے کی صورت میں مورث کے والد کی اولاد (بھائی بہنیں) اس کی وارث ہوتی ہے۔ اسی طرح جس لاولد مورث کی موت کے وقت اس کے باپ کی اولاد بھی موجود نہ ہو تو لاولد مورث کے دادا کی اولاد (چچا وغیرہ) وارث ہوتی۔ اس لئے اگر ایسے لاولد مورث کی وفات کے وقت اس کا ایک چچا زندہ موجود ہو اور دوسرا چچا گو اس

کی زندگی میں مر چکا ہے لیکن اس کی اولاد زندہ موجود ہے۔ یہ اولاد (لاولد مورث کے چچازاد بھائی) اپنے مرحوم باپ (لاولد مورث کا بھائی) کے قائمقام ہو کر وارث ہو گی۔ یہی سلسلہ آگے بھی جاری رہے گا۔ پس اگر کوئی لاولد مورث فوت ہو جائے۔ اس کے باپ کی اولاد (لاولد مورث کے بھائی وغیرہ) موجود نہ ہو۔ اور دادا کی اولاد (چچا وغیرہ) بھی موجود نہ ہو مگر پڑدادا کی اولاد موجود ہو (باپ کا چچا وغیرہ)۔ اور ایسی صورت پیدا ہو کہ لاولد مورث کے والد کا ایک چچا تو لاولد مورث کی وفات کے وقت موجود ہو اور لاولد مورث کے باپ کا دوسرا چچا اس کی زندگی میں مر گیا ہو لیکن اس کی اولاد موجود ہو تو یہ اپنے مرحوم باپ کے قائمقام ہو کر لاولد مورث کے ترکہ میں سے حصہ لیں گے۔ اس فطری تقسیم کو ہمارے بزرگوں نے یوں تسلیم فرمایا ہے:-

"وھم (العصبات بانفسھم) جزء المیت (اولادہ) وجزء ابیہ (اولاد ابیہ یعنی الاخوۃ) وجزء جدہ الاقرب (اعمام المیت وھم اولاد الجد) ثم اعمام الاب وھم اولاد اب الجد ثم اعمام الجد وھم اولاد جد الجد۔ (فتاویٰ سراجیہ وحواشیہا، ص۱۴ مطبوعہ مجتبائی، دہلی۔

عائلی قوانین مجریہ کی دفعہ میں یہ اضافہ ضروری ہے اور اس کی قانونیت کا تقاضا ہے۔

میں اس اضافہ اور ترمیم کی نقل انگریزی میں آپ کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ اُمید ہے آپ بخیریت ہوں گے اور میری رائے ناقص کے منتظر ہوں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس کو صدر محترم کی خدمت میں پیش فرما کر عنداللہ ماجور ہوں گے اور یہ بھی کہ بزرگانِ کرام کی قلم بند شدہ آراء و افکار صدر محترم کی خدمت میں پیش کر چکے ہوں گے۔ والسلام مع الاحترام۔

دعاگو۔ غلام مُرشد خطیب

بھاٹی دروازہ۔ لاہور

تجدیدِ دہریت

جناب الطاف جاوید صاحب کا اعتذار "فکر و نظر" کے اکتوبر کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ اس سے اتفاق یا اختلاف اُن کے ناقدین کا منصب ہے۔ مگر اُن کی ایک بات غیر اسلامی ہے۔ اُنھوں نے فرمایا ہے:-

"اور یہ بات کہ کون حق پر ہے اور کون باطل پر' اس کا فیصلہ تو وقت ہی کیا کرتا ہے اور وقت کے متعلق تو آپ جانتے ہی ہیں کہ ؎

زندگی دہر است دہر از زندگی   لاتسبوا الدہر فرمان نبیؐ۔"

۱ ۔ حق و باطل کا فیصلہ اسلامی آئیڈیالوجی کی رو سے صرف اللہ رب العزۃ کا کام ہے۔

۲ ۔ لیکن اس سے بھی خطرناک تر اُن کا وقت کے بارے میں یہ استشہاد ہے کہ

"زندگی دہر است دہر از زندگی   لاتسبوا الدہر فرمان نبیؐ"

معلوم نہیں وہ بالطبع دہریت کی جانب مائل ہیں یا دوسروں کی بے سوچی سمجھی تقلید کے نتیجے میں اس قسم کے غیر اسلامی خیالات کا اعادہ کرتے ہیں۔

اس سے پہلے وہ مئی کے "فکر و نظر" صفحہ ۶۵، میں بھی اس قسم کا تفلسف فرما چکے ہیں کہ:۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ زمان کے استدامی پہلو کا .... معروضی حقیقت دونوں نام دیئے جاتے ہیں۔"

یہ اندازِ فکر جو قطعاً غیر اسلامی ہے، دہریت و زندقہ کا مورث ہے۔ یوں اُنہیں اس حریتِ فکر کے زمانہ میں پورا پورا حق ہے کہ ایس الیگزنڈر کا اتباع کریں یا میک ٹیگرٹ کا، برگسان کی پیروی کریں یا کانٹ کی۔ مگر اسلامی مسائل کی تنقیح و تحقیق کے سلسلے میں اُن سے استشہاد انتہائی گمراہ کن ہے۔ اس کے لئے اگر ضرورت ہے تو قرآنی تصریحات کی یا اسلامی فکر کی واضح ہدایات کی، جنہیں قرآن و حدیث کے عمیق مطالعے کے بعد مستنبط کیا گیا ہو۔

اس معروض کے بعد بجا طور پر توقع کی جاتی ہے کہ اعتذار نگار اس اسلام دشمن نظریہ سے رجوع کر کے اپنی فراخ حوصلگی کا ثبوت دیں گے۔

لیکن اگر وہ دیانت داری اور ذمہ داری سے اپنے موقف کو اسلامی اور قرآنی سمجھتے ہیں تو پھر اساسی شواہد سے اسے ثابت کریں گے محض کسی قدیم یا جدید مفکر کا حوالہ ؎

حریم تیرا خودی غیر کی معاذ اللہ   دوبارہ زندہ نہ کر کاروبار لات و منات

کا مصداق ہوگی۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔   (شبیر احمد خاں غوری)

قلب کے عملِ نقل کی شرعی حیثیت

لاہور میں جنوبی افریقہ کے طالب علموں کی ایک انجمن ہے۔ اُس کے صدر جناب آدم محمد اپنے ایک خط میں جو ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے ڈائرکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن کے نام ہے، لکھتے ہیں:۔

مجھے یقین ہے کہ حال ہی میں دل کو نقل کرنے کے جنوبی افریقہ میں جو آپریشن ہوئے ہیں۔ اُن کا آپ کو علم ہوگا۔ سب سے پہلے جس شخص میں دوسرے کا دل منتقل کیا گیا، بدقسمتی سے وہ آپریشن کے دو ہفتے بعد مر گیا، لیکن دوسرا شخص جس میں دل منتقل کیا گیا ہے، اُس کے آپریشن کو ساٹھ دن ہو گئے ہیں۔ اور وہ الحمدللہ اب تک زندہ ہے۔

جناب! ہم اس بارے میں کچھ پریشان سے ہیں۔ ہم آپ کے ممنون ہوں گے اگر آپ ہمیں مطلع کریں کہ آیا شریعتِ اسلامی اس طرح دلوں کو منتقل کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں کیا شریعت اسلامی کی رُو سے سرجن اس امر کے مجاز ہیں کہ ایک مرے ہوئے آدمی کا دل نکال کر ایک زندہ آدمی کے سینے میں لگا دیں۔

ہم آپ کے جلد جواب کے متمنی ہیں

یکم۔ مارچ ۱۹۶۸ء

(ڈاکٹروں کے نزدیک اب تک یہ مسئلہ زیرِ بحث ہے کہ جس مرے ہوئے شخص کا دل نکال کر دوسرے شخص کے سینے میں منتقل کیا جاتا ہے تو کیا واقعی وہ مرا ہوا ہے۔ اور اُس پر قطعی موت وارد ہوگئی۔ یا ابھی اُس میں زندگی کے آثار ہوتے ہیں۔ اور دل میں زندگی کی رمق باقی ہوتی ہے۔ اگر ڈاکٹروں کا اس پر اتفاق ہو جائے کہ وہ شخص حقیقتاً مرا ہوا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اُس کے دل میں زندگی کی رمق ہوتی ہے، تو پھر تو اس کا اور حکم ہوگا۔ اور اگر ڈاکٹروں کا اس پر اتفاق ہو جائے کہ وہ شخص واقعی مر گیا۔ اور اُس پر موت کا قطعی حکم صادر ہو گیا تو اُس صورت میں تبدیلیٔ قلب کے جواز کے لئے شاید شرعاً گنجائش نکل سکے۔

مثال کے طور پر المغنی از ابن قدامہ میں ہے کہ اگر ایک زندہ شخص ننگا ہے اور اُس کے لئے سوائے مُردے کے کفن کے ستر ڈھانکنے کا اور کوئی انتظام نہیں۔ تو اُسے ترجیح دی جائے گی، کیونکہ شریعت میں زندہ آدمی کی حفاظت مُردے کے جسم سے مقدم ہے۔ مدیر)